بسم اللہ الاول الآخر الرحمان الرحیم
ملت آبیکم و ابراھیم
مصنف: محمد نبراس

معاویہؓ نے اسے اس نظریہ سے ولی عہد کیا تھا کہ زمانہءِ ماضی کی مانند، آئندہ اہلِ اسلام میں دینی، سیاسی اور تمدنی عدمِ استحکام پیدا نہ ہو۔مگر اسنے اپنے بدترین کارنامہ کے ذریعہ، اُنکے حسنِ نیت کا کریہ وقبیح نتیجہ دیکر انکی شاندار اور متبرک شخصیت کو بری طرح متاثر کر کے ان ظالمین کیلئے زمین ہموار کردی۔(علیہ ماعلیہ)

انسانی حکومت کی اقسام۔

ایک انسانی جوڑا پھلا پھولا۔اس سے جتنے انسان وجود میں آئے، وہ جوڑا ان سبکا ذمہ دار بنا؛ بقاءِ وجود کا، صحتِ جسمانی اور صحتِ ذہنی اسکی ذمہ داری قرار پائی۔باہمی اُلفت وربط ہو، خیر خواہی ودفعِ مضرت ہو۔اولادِ انسان میں انسانی خصلتوں کو ترقی دینا بھی اسی کے فرائض میں ہوا۔

پھر جب وہ لوگ شمار میں بڑھے، مکانی وذہنی فاصلے بھی بڑھے۔ان ہر دو دوریوں نے مسائل گھڑے۔یوں ضروری ہوا کہ (!) ایک بڑا ہو (!!) ایک محافظ ہو، (!!!) ایک اختلاف مٹانے والا ہو، وغیرہ۔اسطرح انسانی معاشرہ منظم ہوا اور حکومت وجود میں آئی۔

ان مقاصد کے حصول کیلئے جو کچھ کیا گیا وہ حکومت، باشاہی، آمریت، خلافت، ملوکیت، سلطنت، سیاست، ریاست، نوابی، جاگیرداری اور اِمارت کہلایا۔

<u>تقررِ حکمران کی مختلف شکلیں</u>۔

(۱) بڑے کی بڑائی کو خود ہی تسلیم کرلیا گیا۔(۲) کسی نے اپنی بڑائی کو قوۃ سے منوایا؛ (!) وہ قوۃ قانون کی ہو، [قانون دینی ہو یا دنیوی]۔(!!) وہ قوۃ دانائی کی ہو، فراست کی ہو۔(!!!) وہ قوۃ افراد کی ہو، بازو کی ہو، مصلحت کی ہو۔(۳) لالچ سے، دھوکہ سے، دھونس سے منوانا مذموم ہے۔

شکلِ اول کی بادشاہی حضرت آدم علیہ السلام کی شکلِ دوم میں کچھ قبول تو کچھ نا قبول۔امیر امؤمنین حضرت معاویہ کی خلافۃ المسلمین میں فراستہ حضرت سیدنا حسن کی اور دانائی امیر

معاویہ کی، جس میں منشاءِ رسول کا، بصورتِ بشارت، اہم کردار ہے۔آخری مغربی (یورپ اورامریکہ) جمہوری حکومت مذموم کہ فرمایا: لاتتبعوا خطوات الشیطان...

توجہ: کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے، مشیئۃ الخلاقِ العلیم ہے جس کے تابع رہ کر عدم سے وجود پا رہا ہے اور وجود سے عدم میں جا رہا ہے۔اللہ، مالک کل کا امر جاری ہے جسکی انجام دہی پر اسکے مدبرِ مأمور ہیں۔بعض اوقات ذہنِ انسانی کو کسی خاص رخ پر موڑنے کے لئے امر کی وقوع پزیری کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں اور کبھی کسی اور کی طرف۔یہ سب ہماری عقل کی پرورش کے لئے ہوتا ہے۔حقیقی کارفرمائی اسی قادرِ مطلق کی ہوتی ہے مگر اکثر اوقات، بظاہر فاعل کوئی اور۔[مشیئت اور چیز ہے، مرضی چیز دگر ہے۔]

جیسے کہ نزولِ قرآن کے بارہ میں ہے: نزلنا علیک القرآن. اور فانہ نزلہ علیٰ قلبک. پہلے فقرہ میں نسبت اللہ تبارک کی طرف اور دوسرے میں جبریل امین کی طرف؛ کیونکہ باذنِ اللہ، تو منسوب الی اللہ، بالفعل تو منسوب الی غیرہ۔اسی طرح: قال لہم نبیہم انّ اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً اور وقتل داوٗدُ جالوت واٰتاہ اللہُ ملک. نبی اللہ نے قوم کو بتایا کہ اللہ تعلیٰ نے جالوۃ کو ملِک بنایا۔اور اُدھر حضرت داوٗد کو بادشاہی ایک بادشاہ نے دی، اسی کو اللہ تعالیٰ کا دینا بتلایا گیا۔ہر دو معاملہ میں حقیقتاً امرُ اللہ الحکیم ہی کارفرما ہے اور احداثُ الامر کسی اور کے ہاتھوں ہوا۔

اسی طرح رسول آخر الانبیاءؐ کے خلیفہ کا معاملہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جو زندگی نبی آخر الزمان ﷺ کے ساتھ گزاری اس نے انہیں آگاہِ منشاءِ ایزدِ تعلیٰ اور مزاج شناسِ رسولِ والا بنا دیا۔وہ جان چکے تھے کہ جس اَتقیٰ واَحبُّ الی الرسول کو مرتبہءِ "ابابکرٍ تعنی بنفسک" دیا گیا ہے اور مُرُ وا ابا بکر اَن یَؤمَّ بالناس کا تاج جسکے سر سجایا گیا ہے، کلام اللہ لاریب فیہ: وعد اللہ الذین امنوا (النور: ۵۵) کا مجمع علیہ وقطعی مصداق وہی ہے۔اسی نے سقیفہ بنی سائدہ میں صحابہ کرام کو، واعتصموا بحلِ اللہ کا سبق پڑھا کر، جمیعاً کے رنگ میں رنگ دیا۔وہ سمجھتے تھے کہ جسے امیر الحج بنایا گیا، وہی امیر المؤمنین ہے۔رسول اللہ ﷺ جسے امامتِ جماعتِ جمیع المؤ منین کے لئے نے چنا، اسی کو امامت جمیع المسلمین کے لئے بُلا کر اپنی جگہ مقرر فرمایا اور منبر پر کھڑے ہونے کا اہل وہی۔جو امامتِ صغریٰ کے قابل ہے وہی اماتِ کُبریٰ کا بھی اہل ہے۔وہیں انہوں نے سبقت کی

آگے امام کی تقریر ہے جسکا آخر: '....اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو ہم اس صلح کی پیش کش کو قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔ لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا: ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندگی چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجئے۔

(حوالہ جات کی جن عبارتوں کو اوپر درج کیا گیا ہے، یہ صرف ایک کتاب کے مندرجات نہیں بلکہ جملہ تحریروں اور تقریروں کے ساتھ ساتھ مدرسیوں میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے ۔ اپنے قریب کے لوگوں کو دین اسلام کی حقیقی شکل دکھانے کی جگہ ایسی چیزیں ذہنوں میں ڈالی جاتی ہیں جو ان بڑی شخصیتوں کی نگاہ میں انکے فائدہ میں ہوتی ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں مانتے کہ اسطرح جن ہستیوں کو آڑ بنا کر وہ اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں اُن محترم و مقدس ہستیوں کی اصل تصویر مسخ کر رہے ہیں۔)

مندرجہ بالا حوالوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا بہت آسان ہے کہ برحق امیر المؤمنین حضرت معویہ کا یہ اندیشہ بالکل درست تھا کہ اگر عنانِ حکومت کسی ایسی شخصیت کے حوالہ کی گئی جو ایسے لوگوں کو سنبھالنے میں پہلے ہی ناکام ہیں یا پھر مملکت یونہی چھوڑ دی گئی تو سوائے قومِ مسلم کی مکمل تباہی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ [عالمِ کفر اسی انتظار میں تھا۔ اُنہوں نے امیر معاویہ کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر صحابیِ رسول نے انہیں جھڑک دیا۔ انہوں نے جواب میں جو فرمایا، اسنے اُنکے چھکے چھڑا دئے۔ آپنے لکھا: تم معاویہ کی آس لگائے بیٹھے ہو واللہ میں وہ ہوں جس کے کارنامے یاد کر کے تم آج بھی کانپ جاتے ہو۔ میں تمہاری طرف پھر آؤنگا علیؓ کی فوج کے ایک سپاہی کی حیثیت سے۔ جیسا کہ قبل ازیں میں عمر کا سپاہی بن کر آیا تھا۔ تمہیں وہ دن بھولے نہ ہونگے۔ میری تلوار کی کاٹ پھر دیکھنے کیلئے کچھ عرصہ انتظار کرو۔] ان اندیشوں نے امتِ مسلمہ سے بحیثیت ماموں ہونے کے، پیار کرتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ امتِ محمدیہ ایک قافلہ ءِ صراطِ مستقیم ہو چکی لھذا وہ جیسے انکے پیچھے ایک جماعت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، انکے نامزد کردہ، یزید کے لئے بھی انکا کردار ایسا ہی ہوگا۔ اور ہوا بھی یہی۔ اگر یزید حضرت سیدنا کو نہ مجبور کرتا تو وہ جیسے پہلے لاتعلق ہو کر خاموش زندگی بسر فرما رہے تھے، آئندہ بھی ایسے ہی رہتے۔ مگر چور کی داڑھی میں تنکا، کی مثال یزید نے اپنی نالائقی کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا اور حضرت سیدنا کو مدینہ منورہ اور پھر مکہ مکرمہ میں بے چینی میں مبتلاء کر دیا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یزید شروع سے ہی بد تھا۔ کچھ کا کہنا ہے کہ وہ پہلے اچھا تھا، صرف ست اور نکما تھا۔ کچھ اسے اپنے ابا کا نافرمان بتاتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو اسے شاعری اور اپنی محبوبہ ز دجہ میں غرق رہنے اور نمازوں سے غافل رہنے والا بتاتے ہیں؛ جہاد سے جی چرانے والا اور آرام طلب۔ مگر اسپر سب کا اتفاق ہے کہ یزید نامی اموی بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد سیدنا حسینؓ بن علیؓ المرتضیٰ سے اپنی بیعت کا مطالبہ کرنے کا مجرم بنا اور انتہاءً یہاں کی کہ اُنہیں کربلیٰ معلی میں بدترین ظلم کا شکار کر کے انکے بہیمانہ قتل کا مرتکب ہو کر اور پھر حرمین کی حرمت پامال کر کے اہلِ اسلام کی سخت ترین نفرت کا مستحق ہوا۔ اسنے اپنے نیک والد کی توقعات خاک میں ملا کر نہ جانے کتنے مظلوموں کی آہوں کا نشانہ بنا کہ اسکا اپنا بیٹا جو اسکا جانشین بھی بنا پسند نہ کرتا تھا، اس سے نفرت کرتا تھا۔

ضروری تنبیہ: جو کوئی مندرجہ مضمون نگار پر اعتماد کرے اور اسکی تحقیق کو درست مان لے، اسکے لئے دعاءِ خیر بطورِ شکریہ۔ اور اسکا غیر ہو تو اتنی آرزو کہ وہ خود تحقیق کر لے۔ والسلام۔

مضمون نگار: محمد نبراس۔

اصغر العباد کو حضرتِ وحشیؓ پر رشک آتا ہے، وہ جو کبھی شیطان کا پجاری تھا اور اسنے حضرت حبیب رب العالمین (ﷺ جل جلالہ) کے پیارے چچا کو نہایت بے دردی سے کاٹ ڈالا یوں سب کیلئے رحمت ﷺ کو انتہائی دکھ میں ڈالا۔ مگر عجیب رنگ کی توبہ اسے ملی اور انہوں نے مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید فرما کا اعلیٰ درجہ کی فضیلت حاصل کر لی۔ سبحان اللہ الرحیم..... اور:

ابنِ ملجم پر صد ہزار افسوس کہ جسنے کلمہ گو اسلام ہونے کے باوجود، اتنا عبادت گزار ہونے کے باوجود، ایسی مکرم ذات پاک کو کاٹا جو اللہ العظیم کی محمد الکریم کی ہر ہر صاحبِ ایمان کی محبوب ترین ہستیوںؓ میں سے ہیں۔ یوں اپنے آپ کو بدترین شخص بنا کر شیطان کا وارث بنا، کہ وہ بھی بے حد نیک تھا؛ اللہ کے نور کی بے ادبی اور اپنے رب کی نافرمانی سے رجیم بن کر جہنمیوں کا سردار ہوا۔ اعیاذ باللہ العظیم۔

۴۔سقایہ:(آب رسانی۔؛واٹرڈرینج سسٹم....)
پانی کے ذرائع حصول کی دیکھ بھال، زائرین کعبہ کے لئے اُسے ذخیرہ کرنا اِسکے ذمہ تھا۔

۵۔حجابہ:
جوایک طرف بادشاہ اور ملاقاتی کے درمیان واسطہ تھا(جسے پروٹوکول کہا جاتا ہے)،اور دوسری طرف کعبہ معظمہ کے غلاف کا نظام سنبھالتا تھا۔

۶۔قیادہ:(مہم الاموروسفارت؛ایمبیسیڈر....) یہ معززین، بادشاہ کے خصوصی مشیر اور اسکی طرف سے سفیر ہوتے۔

۷۔حفاظہ:قریب ودور امن وامان پر نگاہ رکھنے کا ذمہ دار(ایک نوع کا محکمہ دفاع؛ڈیفینڈر...)۔انکے امیر کے پاس لوآء ہوتا تھا۔جب اسے اس امیر کے در پر نصب کیا جاتا تو سمجھا جاتا کہ کوئی اہم دفاعی معاملہ درپیش ہے۔

۸۔حاملِ المفتاح:کعبہ مشرفہ کی چابی کا حامل اور دیکھ بھال کا ذمہ دار۔نیز تبرکات کا محافظ۔

۹۔حفظِ نسب وفصلِ قضایا:ہر نو پیدا بچہ،بچی کا،اسکے باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی نسب محفوظ کرنا۔اور قصاص ودیت کے فیصلے کرنا، جھگڑنے سے روکنا،اور اگر کریں تو فیصلہ کرنا اس محکمۃ العدل کے فرائض سے تھا۔

قبلِ ظہورِ قدسی،مکہ شریفہ میں دس بڑے سرداروں کی مجلس نظامِ مملکت کو جاری رکھے ہوئے تھی۔حضرت ھاشمؓ ملک کے رئیسِ اعظم تھے۔ بیرونِ عرب کی مملکتوں سے انکے شاہانہ مراسم تھے۔آزاد مملکتِ یمن کے شاہِ اول 'سیف' کو بادشاہ بننے پر مبارکباد دینے حضرت عبدالمطلبؓ رؤساءِ قریش کے ساتھ تشریف لے گئے۔شاہِ یمن نے انکا بحیثیت شاہ عرب اکرام کیا اور انہیں بہت سے عمدہ تحفے پیش کئے۔

(اذنُ اللہ کا انقیاد وبید عبد اللہ)

اللہ تعالیٰ کا بادشاہ بنانے کا طریقہ:
قابلِ غور امر یہ ہے کہ مذکورہ سارے ملوک اپنے آباء کے ورثا ہوئے۔مگر حضرت یوسف علیہ السلام کو مُلک،ایک کافر بادشاہ نے ملک کیا۔
بنواسرائیل یعنی اولادِ حضرت یعقوبؑ میں حضرت یوسف علیہما السلام کی بادشاہی کا کسی قدر ذکر قرآن مبین میں خوش کن انداز میں آیا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بادشاہی کے ضمن میں کلام اللہ نے بنواسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔وجعلکم مُلوکا....اسی طرح حضرۃ طالوتؓ وحضرت داؤد علیہ السلام کی شاہی البقرہ میں متلو ہے۔یاد رہے کہ حضرت داؤد کو بھی یہ منصب ایک غیر نبی بادشاہ نے دیا تھا۔طالوت کے بارہ میں ہے: ''اِنَّ اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً''اور حضرت داؤدؑ کیلئے''واتاہ اللہ الملک والحکمۃ''۔قابل غور یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملوک بنانے کو اپنی طرف منسوب فرما کر ملوکیت کو مشرف فرمایا ہے،اُن ملوک کو 'بادشاہی خواہ کسی بھی طریق' سے ملی ہو۔
حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد انکے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔انہوں نے ملکۃ السبا کی بادشاہی اس سے لے لی اور پھر اس سے شادی کرنے کے بعد اسے بطور جاگیر عطا فرمائی۔وہ بحیثیت زمینداری وہاں متصرف رہیں نہ کہ بطور ملکہ۔

عہد خاتم النبین ﷺ۔
-----آیا آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملوکیت کو پسند کیا؟
آخرالانبیاء ﷺ کی امت میں سب سے پہلے مَلِک،شاہِ حبشہ،حضرت اصحمۃ النجاشیؓ ہوئے۔انہیں شرفِ تابعیت حاصل ہے۔آپ ملکِ حبشہ کے بادشاہ اور ناصر صحابہ کرامؓ تھے۔آپ نے صحابہ کرامؓ کو پناہ دی۔اُن میں حضرت خاتم النبین ﷺ کی دوسری بیٹی سیدہ رقیہؓ اور انکے شوہر حضرت عثمان الغنیؓ بھی تھے؛جو سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے بعد،اپنی بیوی سیدہ رقیہؓ بنت النبی ﷺ من سیدہ خدیجہؓ،کے ساتھ ھجرت کی۔
حضورﷺ کی فرمائش پر حضرت نجاشیؓ نے حضرت اُمِّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان کا نکاح حضور ﷺ سے کرکے،انکو بہت زیادہ مہر اور دوسرے بہت سے قیمتی تحفوں کے ساتھ،جن میں ایک عالی رتبت کنیز بھی تھی سرورِ کونینؐ کی طرف روانہ کیا۔حضور ﷺ نے سب کچھ قبول فرما کر دعاء دی:

قرآنِ مبین نے ثابت کر دیا کہ: "خلیفۃ الرسول ابوبکرِ الصدیقؓ کو اگر منتخب کیا گیا تو یہ فعلُ اللہ ہوا جو صحابہؓ کے ہاتھوں سرانجام پایا"۔

کوئی بھی ہو جس کسی سے بھی علم پاتا ہے، نام اسی معلم کا آتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں فلاں نے اپنے باپ سے تعلیم حاصل کی۔ علقمہ نے ابنِ عباس سے علم حاصل کیا۔ جب امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے عمرؓ، علیؓ، ابنِ مسعود، علقمہؓ، النخعیؒ اور حمادؒ سے علم پایا۔ تو کہا گیا: آپ علم کے بہت مضبوط پہاڑ پر ہیں۔

حضرت نبی الامی ﷺ کے بارہ میں ہے: علّمک مالم تکن تعلم • یہ منسوب الی اللہ ہے۔ اور فرمایا: علّمہٗ شدید القوی • یہاں نسبت (عند بعض المفسرین) حضرت جبریل کی طرف۔ اور ایک جگہ یہ ارشاد ہے:... بما علّمہُ اللہُ فلیکتب • یہاں ظاہر ہے کہ کاتب ہیج سلم نبی نہیں۔ بلکہ اسنے (زمانۂ مابعد میں) غیرِ نبی سے ہی یہ علم پایا، جو یہاں منسوب الی اللہ آیا۔ چنانچہ اگر صحابہ کا حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانا مانا جائے تو بھی منسوب الی اللہ ہو گا کیوں کہ فرمایا تھا: الذین ان مکنّاہم... (ایت میں "یا یدا لمسلمین" محذوف منوی یعنی مقدر رہا جائے کیوں کہ واقع ایسا ہی ہوا۔) [ہیج سلم کا علم اللہ تبارک کا عطا فرمودہ ہے، مگر ہمیں دینے والی شخصیت ہمارے اُستاذ جی ہیں۔ اسی لئے ہم انہی کی طرف منسوب کریں گے اور صحیح کرینگے۔]

یا یوں سمجھو کہ کسی ملک کو فتح تو بہت لوگ ملکر کرتے ہیں، مگر کہتے ہیں کہ فلاں بادشاہ نے فتح کیا۔ مثلاً فتح مکہ، اور اُسکے بارہ میں ارشادِ احکم الحاکمین ہے: انّا فتحنا لک فتحاً مّبینا

توضیحِ مزید:

امرِ تعیین خلیفۃ الرسول بعنہٖ ایسے ظہور میں آیا۔ یہ حقیقتاً فعل اللہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جو زندگی نبی آخر الزمان ﷺ کے ساتھ گزاری اس نے انہیں آگاہ منشاءِ ایزدِ تعلیٰ اور مزاج شناسِ رسول والہ بنا دیا۔ وہ جان چکے تھے کہ جس اَتقی واَدبَ الی الرسول کو مرتبۂ "ابا بکرٍ تعنی بنفسک" دیا گیا ہے اور "مُرُوا ابا بکر ان یَّؤمّ بالناس" کا تاج جسکے سر سجایا گیا ہے، کلام اللہ لاریب فیہ: وعد اللہ الذین امنوا (النور: ۵۵) کا مجمع علیہ و قطعی مصداق وہی ہے۔ اسی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کو، واعتصموا بحبل اللہ کا سبق پڑھا کر، "جمیعاً" کے رنگ میں رنگ دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جسے امیر الحج بنایا گیا، وہی امیر المؤمنین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جسے امامتِ جماعتِ جمیع المؤمنین کے لئے چنا، اسی کو امامت جمیع المسلمین کیلئے بُلا کر اپنی جگہ مقرر فرمایا اور منبر پر کھڑے ہونے کا اہل وہی۔ جو امامتِ صغریٰ کے قابل ہے وہی امامتِ کبریٰ کا بھی اہل ہے۔ وہیں اُن سب نے سبقت کی اور سیدنا ابوبکرؓ سے عہدِ وفاء باندھا۔ یہ بیعتِ وفاداری تھی نہ کہ انتخابِ امام؛ کہ امام تو وہ، منشاءِ رسول کے مطابق پہلے ہی تھے۔

اب تو اُس منشاء کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا تھا، سو کیا اور سب نے کیا۔ جو وہاں موجود نہ تھا، اس نے مسجدِ نبوی میں آکے کیا۔ کوئی بھی اطاعت اللہ و الرسول میں پیچھے نہ رہا۔ اور جب اس خلیفۂ رسول نے "وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلبٍ ینقلبون" • کہہ کر تحریمۃ الصلوٰۃ کیا تو ہر ایک نے اسکی اقتداء میں، اللہ اکبر کہہ کر اطاعتِ اولی الامر کی۔ اور اس کی اطاعت میں آجتک یہی حصۂ آیت پڑھا جا رہا ہے۔ (خواہ لاعلمی میں ہی۔) تقیہ ہرگز نہ کیا گیا۔

پہلوں سے اس خلافت کو امتیاز یوں حاصل ہے کہ اس بیعت میں جہاں کلام اللہ و سنّتِ رسول اللہ پر شعوری، ارادی، اختیاری، بلا جبر و اکراہ عمل ہوا وہاں آسمان و زمین والوں نے عجب نظارہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے آئینہ نبوی بننے والوں نے شاندار اتفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجماعِ امت کو بھی اجتماعی شان بخش دی۔ [کچھ لوگ وہ ہیں جو شروع سے ہی اس اجماعی اجتماع کو توڑنے میں لگے ہیں۔ حالانکہ اجماع کو توڑنا کفر ہے۔]

جسطرح ایمان لانے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ نے اپنی بیٹی جو پہلے ہی منکوحہ محمد رسول اللہ ﷺ تھیں، کے نکاح کو قبول کرتے ہوئے کہا: میں نے اپنی بیٹی ام حبیبہؓ آپکے نکاح میں دی اس بات پر حضورؐ کا نکیر نہ کرنا ابوسفیانؓ کے قول کو قبول کرنا ہے۔ اسیطرح حضرت علیؓ کا خلفاءِ ثلاثہؓ کی بیعت کرنا اور حضرت امام حسنؓ کا حضرت معاویہؓ کو امیر مقرر کرنا، انکی خلافت کو قبول کرنا ہے۔ جس امر کی توثیق یہ دو بزرگ کر گئے اور ہر زمانہ کے سارے مسلمان ان سے متفق ہوئے، انکی حقانیت کا انکار؟ بڑا ہی عجیب! نکیر کا ہی سزاوار۔

سورۃ النور کی ایت ۵۵: "وعد اللہ الذین امنوا (الایہ) میں

.. فضربنا لکم الامثال ...

اُموی سلطنت کے بانیؓ: